HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
AL-HAYAT Research Journal
Jlali Research Institute of Social Science, Lahore
ISSN (Online): 3006-4767
ISSN (Print): 3006-4759
Volume 2 Issue 2 (Jan-Mar 2025)

ن۔م۔راشد کی نظم "ابولہب کی شادی": عرب معاشرے کے تاریخی، تمدنی اور ثقافتی تناظر کا مطالعہ

N. M. Rashid's Poem *"Abu Lahab ki Shadi"*: A Study of the Historical, Civilizational, and Cultural Context of Arab Society

Dr. Nabeel Ahmed Nabeel
Associate Professor, University of Education, Division of Islamic and Oriental Learning, Lower Mall Campus, Lahore, nabeel.ahmed@ue.edu.pk

Abstract

N. M. Rashid occupies a seminal position in Urdu literature. His literary career is marked by a series of remarkable poetic achievements, and his contribution to the enrichment of the Urdu language is widely acknowledged. Rashid's strong command of the Persian idiom enabled him to experiment with diverse forms of artistic expression, which continue to fascinate and inspire literary connoisseurs. Moreover, he introduced a wide and distinctive range of themes into Urdu poetry, allowing successive generations of readers to discover new and innovative meanings in his work. "Abu Lahab ki Shadi" (The Marriage of Abu Lahab) is among Rashid's most significant and aesthetically accomplished poems. Abu Lahab functions as a powerful and frequently invoked metaphor representing intransigence, hypocrisy, cunning, and intellectual stagnation. While Rashid appears to employ this figure within its traditional symbolic framework, the poem itself is rich with multiple layers of meaning. This article examines the poem by integrating its essential and classical interpretation with more persuasive contemporary connotations. Such reinterpretations become particularly relevant in a world that has shifted from overt colonial domination to more complex and subtle forms of control over subaltern territories, resources, cultures, and civilizations. By fusing tradition with twenty-first-century sensibilities, the author offers a more comprehensive reading of the poem, encouraging readers to revisit and re-explore the text with renewed critical insight.

Keywords: N. M. Rashid, Abu Lahab ki Shadi, Arab Society, Historical and Cultural Context, Symbolism

ن۔م۔راشد کی نظمیہ شاعری کے تحلیل و تجزیہ سے قبل یہ دیکھنا اور جاننا بھی ضروری ہے کہ آخر قبل از اسلام اور بعثت کے بعد عربوں کا کلچر کیسا تھا۔ قبل از اسلام عربوں کے دوسری اقوام کے ساتھ تمدنی، ثقافتی، اقتصادی اور سماجی تعلقات کس نوعیت کے حامل تھے؟ اور پھر یہ کہ "ابولہب" اور اُس کے خاندان کی روایات کی کیا نوعیت تھی؟ اور قبل از اسلام ابولہب اور اُس کے خاندان کی معاشی اور سماجی حالت کس نوعیت کی حامل تھی؟ یہ بھی دیکھنا اور جاننا ضروری ہے کہ "ابولہب" کا نبی کریم کے ساتھ رویہ کیسا تھا؟ اور "ابولہب کی بیوی اُمّ جمیل کی سوچ کیسی تھی؟ اِس سوال کا ایک جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ ابولہب اور اُس کی بیوی کو اپنے اقتصادی معاملات پر ضرب پڑتی محسوس ہو رہی تھی، جس کی وجہ سے وہ شدید نوعیت کی مخالفت پر اُتر آئے تھے اور اُنھوں نے نبی کریم کے ساتھ مخاصمانہ رویہ اختیار کر لیا تھا۔ نبی کریم تو عام لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا رہے تھے۔ اب دیگر سوالات کے جوابات کی جستجو، دو ذرائع سے کی جا سکتی ہے۔ ایک تو زمانۂ جاہلیت کے ادبی سرمایے کو بروئے کار لا کر مذکورہ سوالات کے جوابات تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ دوسرے قرآنِ عظیم کی تعلیمات کی روشنی میں مذکورہ سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی سعی کی جا سکتی ہے اور پھر یہ کہ ن۔م۔راشد کی نظمیہ شاعری میں عرب معاشرت، عرب رویے، عرب روایات کو بھی زمانۂ جاہلیت کی شاعری اور اُس شاعری کی روایت کے توسط سے سمجھا جا سکتا ہے اور خاص طور سے "ابولہب کی شادی" کی توضیح و تصریح قرآنِ عظیم کی روشنی میں کرنے کی سعی کی جا سکتی ہے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین المصری اپنی کتاب "عربی زبان کا قدیم ادب (ادب الجاہلی) میں لکھتے ہیں:

CC BY

"جو لوگ جاہلی ادب پر محنت اور وقت صرف کیا کرتے ہیں، جن کا عقیدہ ہے کہ واقعی جاہلی ادب کا ایسا سرمایہ ہمارے پاس موجود ہے جو زمانۂ جاہلیت کی، اُس دور کی جس کا اختتام ظہورِ اسلام پر ہوتا ہے، عربوں کی زندگی کی ترجمانی کرتا ہے۔۔۔ بالفاظِ دیگر یوں کہہ لیجیے کہ جس کی بہ دولت اُس عربوں کی زندگی تک جو اب تک لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ تھی۔ یہ لوگ آسانی سے پہنچ سکیں گے۔ وہ عربوں کی زندگی جو زیادہ بیش قیمت، زیادہ واضح تر، زیادہ مفیدِ خلائق اور اُس عربوں کی معاشرتی زندگی کے قطعی متضاد ہو گی جو شعرائے جاہلیت کے اشعار سے ماخوذ ہے۔"(۱)

ڈاکٹر طٰہٰ حسین المصری کی تحقیق و تدقیق اور عمیق مطالعہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کی شاعری عربوں کی معاشرتی زندگی، رویوں، اقدار، روایات، ذہنی و فکری عمل، علمی ذہنیت اور اعمال و افعال کی نہ تو نمایندگی کرتا ہے اور نہ ہی عربوں کی زندگی کے متنوع اور مختلف پہلوؤں کی صراحت کرتا ہے بلکہ عربوں کی سماجی، اقتصادی، تمدنی اور ثقافتی زندگی پر اگر روشنی پڑتی ہے تو وہ فقط قرآنِ عظیم ہی واحد اور مستند ذریعہ ہے۔ ایّامِ جاہلیت کی تصویر اگر نظر آتی ہے تو وہ فقط قرآنِ عظیم کے ذریعے نظر آتی ہے۔ وہ تصویر اور تصور موجودہ جاہلی ادب میں نہیں ہے۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین المصری ایّامِ جاہلیت کی انفرادی یا اجتماعی زندگی سے انکاری نہیں ہیں، لیکن وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ جاہلی ادب کو قبل از اسلام کی اجتماعی زندگی کا ترجمان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اُنھوں نے عربوں کی تمدنی، اقتصادی، سماجی اور ثقافتی زندگی کا تفحص قرآنِ عظیم کی تعلیمات کے وسیلے سے کیا ہے۔ اِس ضمن میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین المصری لکھتے ہیں:

"میں نے کہا ہے 'قرآن ہی عہدِ جاہلیت کا سچّا نقشہ پیش کر سکتا ہے۔' یہ دعویٰ جتنا سُننے میں عجیب و غریب معلوم ہو گا، اسی قدر جلد اس کی بداہت تسلیم کرنا پڑے گی، اگر معمولی تفکر ہی کو کام میں لایا گیا۔ اس لیے کہ یہ مان لینا کہ اہلِ عرب قرآن کی آیتوں کو سُن سُن کر مبہوت اور از خود رفتہ ہو جاتے تھے، بغیر اس بات کو تسلیم کیے ہوئے، مشکل ہے کہ اہلِ عرب اور قرآن کے درمیان کوئی رشتہ ہو گا اور یہ وہی ربط اور رشتہ ہے جو فنّی کمال اور ان لوگوں کے درمیان پایا جاتا ہے جو اسے سُن کر یا دیکھ کر از خود رفتہ ہو جاتے تھے یا یہ مان لینا کہ اہلِ عرب قرآن کا مقابلہ کرتے، اس پر چوٹیں کرتے اور اس بارے میں پیغمبرِ اسلام سے جھگڑتے تھے، آسان نہیں ہے جب تک یہ تسلیم نہ کر لیا جائے کہ عربوں کی نظروں سے وہ حقائق اور رُموز پوشیدہ نہ تھے جو قرآن پیش کر رہا تھا۔"(۲)

اب یہاں ڈاکٹر طٰہٰ حسین المصری نے زمانۂ جاہلیت کی عرب زندگی کو موضوع بنایا ہے اور عربوں کی علمی مفلوک الحالی کو واضح کیا ہے اور اُن کے رویوں کو بھی مترشح کیا ہے کہ وہ کس طرح کی ذہنیت کے حامل تھے۔ ظاہر ہے کہ ابولہب بھی اُسی سماج کا ایک فرد اور سردار تھا، وہ بھی اپنے ذاتی مفادات کو عزیز جانتا تھا اور اُس نے بھی نبیِ کریمؐ کے ساتھ مخاصمانہ رویہ اور انداز اپنائے رکھا، جس کی شہادت قرآنِ عظیم کی ایک سورۃ سے عیاں ہے۔ ابولہب کی بیوی کی بھی ذہنی حالت اس سے چنداں مختلف نہ تھی۔ وہ بھی اُسی سماج کی ہی پیداوار تھی۔ ابولہب اور اُس کی بیوی بُت پرستی کے عقائد کے پیروکار تھے۔ قرآنِ عظیم نے بُت پرستی کے عقائد کی نہ صرف تردید کی بلکہ اُن پر کاری ضرب بھی لگائی۔ ایسے سماجی پس منظر میں ابولہب اپنے عقائد پر قائم رہتے ہوئے، نبیِ کریمؐ کی مخالفت پر نہ صرف ڈٹا رہا بلکہ ابولہب اور خاص طور سے اُس کی بیوی ایذا رسانیوں پر اُتر آئی۔ ابولہب کی بیوی نے نبیِ کریمؐ کو طرح طرح سے اذیت پہنچانے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی، جن ایذا رسانی کی جانب ن۔م۔راشد کی نظم "ابولہب کی شادی" میں بھی کنائتاً روشنی پڑتی ہے، ظاہر ہے کہ ایک شاعر اشارے کنائے کا استعمال ایک ادبی صنعت کے طور پر ہی کرتا ہے، ن۔م۔راشد نے بھی ادبی صنعتوں کو بروئے کار لا کر اپنے مافی الضمیر کا اظہار کیا ہے۔ قبل از بعثتِ نبوی کے عرب معاشرے کے ضمن میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین المصری لکھتے ہیں:

" قرآن میں بُت پرستی کے اُن عقائد کی تردید ہے جو جزیرۃ العرب میں رائج تھے، اس میں یہودیوں، عیسائیوں، مجوسیوں اور دہریوں کے عقیدوں کی بھی تردید ہے، جن سے ملکِ عرب کو سابقہ رہتا تھا۔ قرآن صرف فلسطین کے یہودیوں، روم کے عیسایوں اور ایران کے آتش پرستوں نیز جزیرے کے بے دینوں کی تردید نہیں کرتا ہے، وہ اُن عرب کے فرقوں کی تردید کرتا ہے جو بلادِ عرب میں اپنے وُجود کا وزن رکھتے تھے اور اگر یہ نہ ہوتا تو قرآن کی یہ قیمت اور یہ اہمیت نہ پیدا ہو پاتی اور اس کی تائید کرنے والوں یا اس کا مقابلہ کرنے والوں میں سے ایک بھی اتنی توجہ نہ کرتا اور اس کی تائید اور تردید کوئی بھی جان اور مال کی ایسی ایسی قربانیاں پیش نہ کرتا۔"(۳)

اب یہاں ایک نتیجہ تو یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قبل از اسلام اور بعثتِ نبویؐ کے بعد وہ تمام قبیلے مقابلے پر اُتر آئے، جنھیں راہِ ہدایت کی جانب لانے کے لیے نبیِ کریمؐ نے اللہ کا پیغام پہنچایا، جس کو بھی اُس کی بے راہ روی بتلائی گئی، وہ قبیلہ مقابلے کی ٹھان پر مقابلے پر اُتر آیا۔ وہ مقابلے و مجادلے معمولی نوعیت کے نہیں ہوتے تھے، جس کا جہاں تک زور اور بس چلا، اُس نے اپنے سیاسی اور اجتماعی اقتدار کی پوری پوری قوت اور طاقت کا شدّت کے ساتھ استعمال بھی کیا اور مقابلہ بھی۔ اسی طرح ابولہب اور اُس کی بیوی اور اُس کے قبیلے نے بھی نبیِ کریمؐ کے ساتھ مقابلے کی ٹھان لی اور وہ ایذا رسانیوں پر اُتر آئے۔ ابولہب کو اپنی سرداری چلی جانے کا خوف دامن گیر تھا اور وہ مقابلے پر اُتر آیا۔ یہی وہ پس منظر ہے، جو ن۔م۔راشد کی نظم "ابولہب کی شادی" کے بین السطور محسوس ہوتا ہے۔ باقی تو شاعر کا گریجر ہے اور دیگر شاعری کے حربے ہیں، جن کا استعمال ن۔م۔راشد نے اپنی نظم "ابولہب کی شادی" میں کیا ہے اور ہر دور کے 'سٹیٹس کو' یعنی جاریہ صورتِ حال کو بیچ چوراہے بھانڈا پھوڑا ہے۔ نظم کے عنوان میں قولِ محال کی صنعت کا استعمال کیا گیا ہے، بظاہر تو خوشی اور مسرت کا موقع ہے مگر بباطن اندوہ ناکی و کرب و الم کی کیفیت ہے جو مذکورہ نظم کے استعاروں کو ڈیسائفر کرنے سے مترشح ہوتی ہے۔ اب اِک نظر ظہورِ اسلام کے وقت اور اس کے بعد کی صورتِ حال پر ڈال لیتے ہیں۔ وہ اس لیے کہ ابولہب بھی قریش کے سرداروں میں شامل ایک سردار تھا۔ قریش کے بُت پرستوں نے نبیِ کریمؐ کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا۔ اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ قریش کے بُت پرستوں نے رسولؐ اللہ کو مکّہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا اور اُنؐ کے خلاف ایک لمبے عرصے تک مصروفِ پیکار رہے اور نبیِ کریمؐ کے صحابہ کو بھی ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔ یہودیوں نے اپنی جگہ فساد برپا کیے اور نبیِ کریمؐ کے ساتھ یہودیوں نے عقلی جنگ شروع کر دی، جس کی اختتام بھی جنگ پر ہوا۔ مکّہ میں بُت پرستی کا ماحول تھا اور مدینہ میں یہودیوں کی ریشہ دوانیاں تھیں۔ عیسائی نجران وغیرہ تھے، لہٰذا عیسائیوں نے مقابلہ کی اس طرح سے نہیں ٹھانی، جس طرح سے بُت پرستوں اور یہودیوں نے ٹھانی تھی۔ ایسی صورتِ حال میں ابولہب بھی نبیِ کریمؐ کے ساتھ مقابلے پر اُتر آیا تھا اور اُس کی بیوی نے بھی ایذا رسانیوں میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ ایسی عرب زندگی اور تاریخی پس منظر کو ذہن میں رکھ کر ن۔م۔راشد کی نظم "ابولہب کی شادی" کا تحلیل و تجزیہ ایک الگ نوعیت کا حامل ہو سکتا ہے اور تاریخِ عرب کے ایک باب کو ادب کے ساتھ منسلک کر کے نئے معانی و مفاہیم منظرِ عام پر لائے جا سکتے ہیں اور زیرِ نظر آرٹیکل میں ایسی ہی ایک کاوش کی گئی ہے۔ عربوں کی زندگی کا ایک پہلو جسے زمانۂ جاہلیت کی شاعری میں پیش کیا گیا ہے۔ ایک نظر اُس عرب

CC BY

زندگی پر بھی ڈالی جاسکتی ہے، جہاں عربوں کی سماجی زندگی کو بے بنیاد، کھوکھلی اور مذہبی احساس سے عاری دِکھایا ہے اور یہ جاننے کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ کیا حقیقت میں بھی ایسا ہی ہے؟ یا پھر عربوں کی اس زندگی کی حقیقی تصویر زمانۂ جاہلیت کی شاعری میں جس طرح پیش کی گئی ہے۔ کہیں اُس سے ہٹ کر تو نہیں ہے۔ اِس ضمن میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین المصری لکھتے ہیں:

"ہمارے پاس جاہلیت کے اشعار کا جو ذخیرہ موجود ہے، اُس سے عربوں کی ایک ایسی زندگی کا پتا چلتا ہے جو خاموش، سماجی احساس سے عاری، اقدار سے بے نام، مذہب سے بے گانہ اور مذہبی احساس سے مکمل طور پر یا تقریباً نابلد اور بے تعلق اور دینی جذبات سے پرے جو انسانی نفوس اور اُن کی عملی زندگی پر حاوی ہوا کرتے ہیں۔ یک سر خالی ہے۔ ورنہ امراء القیس، طرفہ اور عنترہ کی شاعری میں یہ جذبہ کیوں نظر نہیں آتا؟ کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ جاہلیت کے اشعار اپنے زمانے کی مذہبی زندگی کی عکاسی عاجز ہیں؟۔"(۴)

محولہ بالا اقتباس سے پتا چلتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کی شاعری سطحی نوعیت کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ حقائق سے زیادہ متخیلہ پر مبنی ہے۔ اپنے عہد کی معاصر زندگی کی ترجمان بھی ہے اور روحِ عصر سے بھی عاری ہے۔ اب اس کا پتا کیسے لگایا جاسکتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کا سماج کیسا تھا۔ اس عہد کے لوگوں کے مذہبی احساسات اور جذبات کس نوعیت کے تھے؟ اس سوال کا جواب قرآنِ عظیم سے ہی ملتا ہے، جہاں قرآنِ عظیم عربوں کی اُس طاقت ور مذہبی زندگی کو منصۂ شہود پر لاتا ہے جو اپنے قبیلے کے لوگوں سے چیخ چیخ کر کہتی ہے کہ آؤ! ہمارے ساتھ مل کر اسلام کے خلاف صف آرائی کرو! اور جب یہ صف آرائی بے اثر ثابت ہوتی ہے تو عربوں کی مذہبی زندگی مکر و فریب پر اُنھیں مجبور کرتی ہے، پھر وہ عرب ظلم کی جانب پیش قدمی کرتے ہیں اور آخر میں ایسی جنگ کا اعلان کر دیتے ہیں جو نہ کچھ باقی رکھے نہ کچھ چھوڑے۔ ابولہب جو قریش کے سرداروں میں سے ایک سردار تھا۔ وہ بھی اپنے قبیلے کے اُن لوگوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتے نظر آیا، وہ لوگ جو توحید کی جانب متوجہ ہوئے۔ قریشِ مکّہ قطعی طور پر پکّے مذہبی تھے، ظاہر ہے کہ اُن کا عقیدہ بُت پرستی تھا۔ اسی لیے ابولہب نے اسلام کی مخالفت کی اور اُس کی بیوی نے نبیِ کریمؐ کے ساتھ مخاصمت اور ایذا رسانی کے حربے اختیار کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور پھر ابولہب کی بیوی پر اللہ کی پھٹکار پڑی۔ ایسے تاریخی اور سماجی پس منظر میں ن۔م۔راشد کی نظم "ابولہب کی شادی" اور بھی معنی آفریں ہو جاتی ہے۔ ن۔م۔راشد کی نظمیہ شاعری میں قدیم عرب معاشرت، انسانی معاملات، عرب روایات، عربوں کے رویوں اور دیگر ممالک کے ساتھ تمدنی، تجارتی اور ثقافتی تعلقات کو توبراہِ راست یا علامتی و استعاراتی طور پر موضوع نہیں بنایا گیا، لیکن اس کے باوجود عرب معاشرہ دیگر دُنیا کے معاشروں سے لاتعلق بھی نہیں تھا۔ قدیم زمانے میں عربوں کے موجودہ ہندوستان کے قدیم علاقہ ملیبار کے دراوڑوں کے ساتھ تجارتی اور تمدنی تعلقات کا بھی پتا چلتا ہے۔ ایّامِ قدیم میں عرب ملیبار کے سواحلی علاقوں میں تجارتی اغراض و مقاصد سے آتے جاتے رہے ہیں، جس سے بات صاف ہو جاتی ہے کہ عرب معاشرے بُت پرستی کی وجہ سے کُفر پر قائم تھے مگر اُن کے دُنیا کی دیگر اقوام کے ساتھ تجارتی و تمدنی مراسم قائم تھے۔ اِس جہت یعنی عربوں کے دیگر دُنیا کے ساتھ تجارتی اور تمدنی مراسم اور لین دین پر حکیم سیّد شمس اللہ قادری کی کتاب "ملیبار سے عربوں کے تعلقات" کے ذریعے روشنی پڑتی ہے۔ اگرچہ عرب اپنے عقائد کے اعتبار سے بُت پرست تھے مگر قدیم عربوں کے دُنیا کے مختلف خطوں اور علاقوں کے لوگوں کے ساتھ تجارتی و تمدنی تعلقات تو تھے۔ اِس ضمن میں حکیم شمس اللہ قادری کی کتاب سے رجوع کرنے سے بعض حقائق کا پتا چلتا ہے:

"سکندر کبیر کے خروج سے صدیوں پہلے ملیبار میں عربوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی۔ ملیبار کی پیداوار خلیج فارس کی راہ سے سب سے پہلے عرب کے جنوبی ساحل پر پہنچتی تھی، پھر یہاں سے عربوں کے کارواں یمن و حجاز سے گُزرتے ہوئے اُن اجناس کو شام میں تدمور اور مصر میں اسکندریہ تک پہنچاتے تھے۔ یورپ کے تجاران مقامات سے اس سامان کو حاصل کر کے اپنی تجارت گاہوں میں داخل کیا کرتے تھے۔ غرضے کہ قدیم زمانہ میں ہندوستان اور یونان و روم کے مابین جو تجارت ہوا کرتی تھی۔ اُس کا توسط عرب اور اُن کے بعد مصر و شام کے باشندے تھے۔ عرب میں ملیبار کی تجارت کا مرکز مدینہ ظفار تھا جو حضر موت کے ساحل پر واقع ہے اور یہاں کے تُجّار بلاواسطہ ملیبار سے تجارت کیا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس شہر میں اور اس کے اطراف ملیبار کے اکثر درخت اب بھی پائے جاتے ہیں، مثلاً ناریل، فلفل اور تنبول وغیرہ۔ عہدِ عتیق کے مقدس صحیفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں بنی اسرائیل نے بھی ملیبار سے تجارتی تعلقات پیدا کیے تھے۔ چناں چہ ملوک اور ایام کی کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ اپنے عہدِ حکومت میں دو بحری مہمیں اوفیر اور ترسیس کو روانہ کیا کرتے تھے۔ مقصد اُن کا یہ تھا کہ وہاں سے سونا، چاندی، صندل کی لکڑی، ہاتھی دانت، مور اور بندر لائیں۔ ترسیس کی مہم تین برس کے عرصے میں واپس ہوا کرتی تھی۔ یہ طریقہ بنی اسرائیل میں حضرت سلیمانؑ کے بعد بھی یہوسفط کے زمانہ تک جاری تھا اور خود یہوسفط نے بھی ایک مہم دس جہازوں کی ترسیس اور افیر کی جانب روانہ کرنے کے لیے تیّار کی تھی، لیکن قبل اس کے کہ بندرگاہ سے روانہ ہوتی، ایک طوفان کے باعث تباہ و برباد ہو گئی۔" (۵)

محولہ بالا طویل اقتباس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ قدیم عربوں کے ہندوستان کے قدیم علاقہ ملیبار کے ساتھ تجارتی اور اقتصادی تعلقات قائم تھے اور عرب ملیبار کے لوگوں سے لین دین کیا کرتے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ عرب اپنے مذہبی عقائد میں پسماندہ ضرور تھے مگر اپنے اقتصادی معاملات میں پسماندہ بالکل نہیں کہے جاسکتے۔ وہ اپنے مالی مفادات کے حصول کو نہ صرف یقینی بناتے تھے بلکہ اپنے اقتصادی مفادات کو محفوظ بھی بناتے تھے۔ بنی اسرائیل بھی قدیم دور میں عرب علاقوں میں ہی آباد تھے اور اُن کے بھی ملیبار کے لوگوں کے ساتھ اقتصادی تعلقات قائم تھے۔ اب اس طرح کے شواہد کی روشنی میں جب ہم "ابولہب" اور اُس کی موروثی و خاندانی صورتِ حال پر ایک لمحے کے لیے تدبر و تفکر سے کام لیتے ہیں تو یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ "ابولہب" بھی اپنی سرداری و حکمرانی کے ساتھ ساتھ اپنے اقتصادی مفادات اور معاملات کے متعلق بہت حسّاس تھا اور یہی وجہ ہے کہ اُس نے نبیِ کریمؐ کے ساتھ مخاصمت اور آویزش کی راہ اختیار کی اور اُس کی بیوی اُمِّ جمیل نے بھی ابولہب کی اندھی تقلید کی اور نہ صرف وہ اپنے کُفر کے عقیدے پر ڈٹ کر کھڑے رہے بلکہ اُنھوں نے نبیِ کریمؐ کو اپنی ایذا رسانیوں کا بھی نشانہ بنایا۔ اس طرح کے تاریخی پس منظر سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے جب بعثتِ نبوی کے بعد قدیم بُت پرستی کی جاریہ صورتِ حال پر ضرب پڑی تو ابولہب کو اپنی سرداری کے چھن جانے اور اقتصادی اور مالی مفادات پر قاری ضرب پڑتی ہوئی محسوس ہوئی تو اُس نے اپنے ذاتی خوف و خطر کی بنا پر نبیِ کریمؐ کے ساتھ مقابلے کی ٹھان لی۔ ابولہب صراطِ مستقیم اور رشد و ہدایت کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے کُفر کے عقیدے پر قائم و دائم رہا، وہ اِس لیے بھی کہ اُس کے دل پر گمراہی کی مہر لگی ہوئی تھی، مگر وہ اپنے اقتصادی اور مالی فائدے سے ذرّہ برابر بھی پیچھے ہٹنے کے لیے تیّار نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ابولہب اور اُس کی بیوی عذابِ

CC BY

الٰہی سے بچ نہ سکے۔ اس طرح کے اقتصادی، ثقافتی اور تاریخی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے اور مذہبی عقائد کو بھی پیشِ نظر رکھتے ہوئے، ن۔م۔راشد کی نظم "ابولہب کی شادی" کا گہرائی و گیرائی کے ساتھ تحلیل و تجزیہ کیا جاسکتا ہے اور تعبیرِ نَو سے کام لیا جاسکتا ہے۔

ہم مسلمانوں کی جو مذہبی روایت ہے اس میں "ابولہب" ایک "ولن" (Antagonist) ٹھہرتا ہے اور ابولہب کی بیوی بھی ایذا رسانی میں کم نہیں تھی چناں چہ شدّت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ابولہب کے بے نسب ہونے اور بے جڑ ہونے کی شہادت قرآنِ عظیم نے ایک سورۃ کے ذریعے دی۔ "تبت یدا" اور آنحضرتؐ ان کے ہاں حضرت فاطمہ کی شکل میں بیٹی تو تھیں جو حضرت خدیجہ کے بطن سے تھیں، لیکن آپ کے بیٹے اللہ کو پیارے ہو گئے تھے، تو کفارِ مکہ جن میں ابولہب، ابوجہل، امیہ اور دوسرے وہ آنحضرتؐ کو طعنہ دیتے تھے کہ آپؐ (نعوذ باللہ) بے نشاں اور بے جڑ ہیں کہ آپؐ کی اولادِ نرینہ نہیں ہے۔ یہ آنحضرت محمدؐ سے جو منسوب کیا جاتا ہے کہ ابولہب کی ایذا رسانی کے باعث آنحضرت محمدؐ نے اسے بد دعا دی تھی اور پھر اس کا بیٹا مر گیا تھا۔ یہ ایک نہایت ضعیف روایت ہے اور اس کا ابطال ہو چکا ہے۔ آنحضرت محمدؐ آپ کی سیرت اور کردار کا بہت بڑا وصف یہ ہے کہ آپؐ رحمۃ اللعالمین ہیں جو لوگ آپؐ کو ایذا پہنچاتے تھے، جن لوگوں نے آپؐ کو شعبِ ابی طالب میں محصور رکھا تھا۔ انھوں نے ان لوگوں کو بھی بد دعا نہیں دی۔ طائف کے لوگوں نے جب آپؐ پر پتھر برسائے اور آپؐ کو زخمی کیا۔ ایک فرشتہ نازل ہوا کہ اگر آپؐ کہیں تو ان کی زمین کو پلٹا دیا جائے تو آپؐ نے فرمایا کہ نہیں عین ممکن ہے کہ ان کی آنے والی نسلوں میں کوئی راہِ راست پر آجائے۔ جن کا لقب ہی رحمۃ اللعالمین اور جنھوں نے ساری زندگی ہی خیر و برکت کے لیے اعمال و افعال سرانجام دیے ہوں تو یہ روایت انتہائی ضعیف ہے کہ انھوں نے ابوجہل کو بد دعا دی تھی۔ ابولہب کے بیٹے کا مر جانا خدائی فیصلہ تھا۔ ابولہب کی ایک اکلوتی نرینہ اولاد یعنی اس کا بیٹا کا مارا جانا اور پھر ابولہب عمر کے اس حصے میں تھا، جہاں مزید اولاد پیدا کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں تھی۔ وہ بہت بوڑھا ہو گیا تھا۔ کہولت کی عمر کی پہنچ چکا تھا۔

ن۔م۔راشد کی نظم "ابولہب کی شادی" کے سیاق و تناظر میں مغنی تبسم اور شہریار کچھ اِس انداز سے رقم طراز ہیں:

"ن۔م۔راشد کی نظم "ابولہب کی شادی" میں قدیم عربوں کے مذہبی عقائد کا عمل دخل تو ہے ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اِس کا تعلق اُس تاریخی پس منظر سے بھی ہے جس میں عرب قبائل اپنی قبائلی طاقت اور سرداری میں بھی جکڑے ہوئے تھے اور نئے نظام سے وہ اپنے لیے خطرہ بھی محسوس کر رہے تھے کہ کہیں اُن کی سرداری نہ چلی جائے۔"(۶)

لہٰذا وہ لاولد دنیا سے چلا گیا۔ اب یہاں دو چیزیں پیشِ نظر ہیں۔ وہ کہ یہ ن م راشد کو بہ حیثیت شاعر ابولہب کی شادی میں دل چسپی کیوں ہے؟ یہاں پر ابولہب کا وہ جو ولن والا کردار ہے، وہ کردار ن م راشد کے پیشِ نظر نہیں ہے۔ پھر ایک یہ بات بھی پیشِ نظر ہے کہ عربوں کے ہاں شادی جو ہے، وہ اس نوعیت کا ایک واقعہ نہیں ہوتا تھا جیسے ہمارے ہاں ہوتا ہے کہ ایک شادی کی اور ساری زندگی اسی شادی کے حصار یا جلو میں گزار دی۔ عربوں کے ہاں تو شادی کپڑے بدلنے والا معاملہ تھا کہ ایک شادی، دو شادی، چار شادیاں، دس شادیاں اور پھر جی چاہا تو اور شادی کر لی۔ یہ اسلام نے آکر چار کی تحدید کی۔ لیکن پھر اس کا بھی انھوں نے توڑ نکالا کہ ایک کو طلاق دے کر ایک اور کر لی۔ عربوں کے ہاں کثرتِ ازدواج (Polygamy) ایک معمول کا معاملہ تھا اور عربوں کے ہاں شادی کی Celebration کوئی ایسا انوکھا واقعہ نہیں تھا۔ Celebrate وہ ضرور کرتے تھے، لیکن چوں کہ پے در پے وہ شادیاں کرتے تھے، ظاہر ہے کہ عورتوں کے لیے بھی تحدید نہیں تھی، عورتیں بھی زیادہ شادیاں کرتی تھیں، سو، شادی عربوں کی زندگی میں کوئی ایسا بڑا اور انوکھا واقعہ نہیں ہوتا تھا۔ پھر ابولہب کی شادی اور ابولہب کی اس دُلھن کی شادی، جس سے منسوب کیا گیا ہے کہ وہ گلے میں سانپ حمائل کر کے لائی اور سر پر ایندھن اٹھا کر لائی۔ اس طرح کے واقعہ میں کیا خاص بات ہے کہ راشد جیسے ایک بڑی پَچ کے شاعر کو اس طرح کے واقعہ نے نظم لکھنے پر مجبور کیا۔ کیا یہ وہی ابولہب ہے۔ غالباً مرادی معنوں میں تو ابولہب ایک ہی ہے، کوئی دوسرا ابولہب نہیں ہے اور ابولہب کی دلھن بھی وہی ہے جو آنحضرتؐ اور صحابہ اکرام کو ایذا پہنچانے میں پیش پیش رہتی تھی۔ ن م راشد جس طرح پرانے زمانوں، اور گئے وقتوں سے اپنے تہذیبی آثار اٹھاتے ہیں۔ راشد نے ابولہب اور اس کی دُلھن کو اپنی مذکورہ نظم کے لیے منتخب کیا ہے، یہ نظم بنیادی طور پر نہ اس ابولہب کی مذمت میں ہے، نہ اس کی حمایت میں ہے۔ یہ ایک کردار اس (شاعر) نے اٹھایا ہے اور یہ کردار عرب تہذیب کا ایک نمایندہ کردار ہے اور ابولہب کی بیوی بھی عرب تہذیب کی نمایندگی کرنے والا ایک کردار ہے۔ یہ وہ ایک Particular مخصوص ابولہب نہیں ہے۔ جس ابولہب کی مذمت بھی آئی ہے اور وہ ابولہب جو آنحضرت محمدؐ کا چچا واقع ہوا تھا۔ یہ ابولہب ایک استعارے کے طور پر آیا ہے اور اس کی بیوی بھی ایک استعارے کے طور پر آئی ہے۔ وہ استعارہ کیا ہے؟ استعارہ یہ ہے کہ ابولہب کی شادی جو ابوسفیان کی بہن کے ساتھ ہوئی تھی۔ ابوسفیان بھی سردارِ مکہ میں سے ایک تھا اور عربوں کے ہاں لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کا کرنا اور انسانی اعضا کی بے حرمتی کرنا، یہ ایک طرزِ حیات یعنی ایک Way of life تھا۔ بعد میں ایسا کربلا بھی کیا گیا کہ شہدائے کربلا کے زخمی اور لہولہو جسم تھے۔ ان کے اوپر سے گھوڑے دوڑا کر ان کی جسدِ پاک کی بے حُرمتی کی گئی۔ عربوں کے ہاں یہ ایذا پسندی اور ایذا رسانی کی روایت بہت پرانی ہے۔ حتیٰ کہ حضرت حمزہؓ جب جنگ احد میں شہید ہوئے، چوں کہ حضرت حمزہؓ نے ابوسفیان کی بیوی ہندہ کے بھائی اور اس کے باپ کو جنگِ بدر میں قتل کیا تھا اور ہندہ نے قسم اٹھائی تھی، چناں چہ اس نے ایک حبشی غلام کی ڈیوٹی لگائی تھی۔

جس نے بے خبری میں آکر حضرت امیر حمزہ کو نیزا گھونپا اور اس کے بعد ہندہ نے جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت امیر حمزہؓ کی لاش تلاش کر کے ان کا سینہ چاک کر کے، ان کا کلیجہ نکال کر چبایا تھا۔ یہ ان کے ہاں اذیت پسندی کی ایک پرانی روایت تھی اور بھی، وہ بہت قسم اٹھاتے تھے کہ " میں قسم اٹھاتا ہوں فلاں بت کی " اگر میری یہ منت پوری ہو گئی تو میں اپنے دشمن کی آنکھیں نکال کر چبا جاؤں گا۔ اس طرح کی اذیت پسندی، ان کے ہاں Way of life تھا۔ یہاں "ابولہب" وہ خاص "ابولہب" نہیں ہے۔ جیسے ہم عام زندگی میں کسی آدمی کی حرکتوں کی وجہ سے کہتے ہیں تو بڑا شیطان ہے۔ تو اس سے مراد ابلیس فی الذات نہیں ہوتا، اس کا کرداری اور صفاتی پہلو سامنے ہوتا ہے۔ جس کو ہم منسوب کر دیتے ہیں یا یہ ہے کہ کسی کی بہت زیادہ ستائش مقصود ہو تو کہتے ہیں کہ تم تو بھئی بہت بڑے استاد ہو! یہاں "ابولہب" ایک استعاراتی انداز میں آیا ہے۔ اس کی بیوی Metaphoric انداز میں آئی ہے۔ ایک یہ ہے کہ ابولہب کی وہ شادی جو ابوسفیان کی بہن سے ہوئی تھی، وہ اس قدر یا اتنی اذیت ناک عورت تھی کہ اس نے شادی کی شرط یہ رکھی تھی کہ میں اپنی شادی میں کوئی بناؤ سنگھار نہیں کروں گی۔ کوئی عروسی جوڑا نہیں پہنوں گی بلکہ میں سانپوں کی مالا گلے میں حمائل کر کے حجلۂ عروسی میں جاؤں گی اور سر پر دوشالا وغیرہ کی بجائے میں سر پر لکڑیوں کا ایک گٹھالے کر جاؤں گی، وہ لکڑیاں جن کے سروں پر آگ سلگ رہی ہو گی۔

CC BY

اس نے یہ اہتمام کیا تھا کہ پہلے ہی روز اپنے شوہر کے اوپر اس کا رعب، دہشت پڑ جائے اور شوہر اس کو دلھن کی بجائے کسی بلا کے طور پر قبول کر لے اور شوہر ہمیشہ اس کا اطاعت گزار رہے اور آیندہ کی زندگی میں اس کے راستے میں مزاحم نہ ہو۔ وہی روایت آگے یہ بتاتی ہے کہ ابو لہب جب حجلۂ عروسی میں داخل ہوا اور اس نے اپنی دلھن کا یہ روپ دیکھا اور ابو لہب ننگے پاؤں حجلۂ عروسی سے بھاگ گیا تھا کیوں کہ وہ بھاگ گیا تھا لہٰذا شر مساری کے سبب اس نے اپنے قبیلے کو اور اپنی بستی والوں کو کیا منہ دکھانا تھا کہ تم اپنی دُلھن (Manage) نہیں کر پائے۔ عرب دنیا میں تو ایک بہت بڑی شر مندگی کی بات تھی کہ عورت اپنے شوہر کو پہلی رات ہی بھگا دے یا اس کو خوف زدہ کر دے تو اپنی شر مندگی کے مارے وہ گھوڑے کو ایڑھ لگا کر روپوش ہو گیا اور جب روپوش ہو گیا تو پھر وہ کہیں شام میں، ایک روایت کے مطابق وہ کہیں یمن میں چلا گیا۔ وہاں بھیس بدل کر اور اپنی عرفیت اور اپنی شناخت چھپا کر وہاں وہ تجارت کرنے لگا۔ اس طرح اس نے وہاں خوب مال کمایا۔ جب خوب مال کمایا تو پھر وہ مال کمانے کے بعد نو، دس برس کے بعد اس نے سوچا کہ اب لوگ اس واقعہ کو بھول بھال گئے ہوں گے۔ تو وہ اپنے مال و دولت کے ساتھ کنیزوں اور غلاموں کے ساتھ جب واپس لوٹا تو اس کی پہچان یا شناخت میں کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا۔ لوگوں نے اس کے رنگ روپ، حلیے اور ناک نقشے سے پہچان لیا جب وہ ایک پورے جلوس کی شکل میں آرہا تھا کہا جاتا ہے کہ وہ تیس اونٹوں پر اپنا مال اسباب لایا تھا۔ کچھ اس میں لوٹ کھسوٹ کا سامان تھا اور کچھ اس میں مالِ تجارت تھا۔ تیس اونٹوں پر اس کا سامان لدھا ہوا تھا۔ تو وہ ایک بڑی شان و شوکت کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ایسے میں مجمع میں سے کوئی ایک آواز ابھری کہ تم وہی ابو لہب ہو جو حجلۂ عروسی میں سے بھاگ گئے تھے جس کی دُلھن اپنے ساتھ سامانِ مشاطگی کی بجائے، اپنے گلے میں سانپ حمائل کر کے اور سر پر جلتی ہوئی لکڑیوں کی آگ سجا کر لائی تھی۔ تم وہی ابو لہب ہو۔ اب ابو لہب نے جو وہ سارا جتن کیا تھا، اپنی شناخت چھپانے کا اور اس وقت تو وہ مکے میں ایک تاجر کے طور پر واپس آیا تھا۔ وہ بنو ہاشم کی عرفیت کے حوالے سے نہیں آیا تھا۔ اس نے تو اپنا نام بھی بدل لیا تھا، لیکن پہچانا گیا، جب پہچانا گیا تو اس طرح نظم کی جو Punch لائن ہے کہ جیسے ہی مجمعے سے یہ پکار بلند ہوئی کہ تم وہی ابو لہب ہو، جس کی دُلھن شبِ زفاف میں اپنے گلے میں سانپ حمائل کر کے اور اپنے سر پر سلگتی، جلتی ہوئی لکڑیاں باندھ کر لائی تھی۔ تم وہی ہو، تو ابو لہب نے یہ سنتے ہی اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگا دی اور الٹے قدموں واپس بھاگ گیا۔ اپنا سارا ساز و سامان چھوڑ چھاڑ کر بھاگ گیا۔

یہ تو اس نظم کا واقعاتی معاملہ ہے۔ اس نظم کا Massage کیا ہے؟ اب یہاں میسج تبلیغ کے معنوں میں بالکل بھی مراد نہیں ہے بلکہ شاعر اپنی شاعری کے ذریعے اپنے قاری تک ترسیل کیا کرنا چاہتا ہے؟ اب "ابو لہب" کو اُس سیاق و سباق سے نکال کر دیکھنا پڑے گا جو ہم مسلمانوں کے ذہن و فکر میں ابو لہب کا ایک مخصوص کردار ہے۔ آنحضرتؐ کے چچا ہونے کا اور آنحضرت محمدؐ کو ایذا پہنچانے والے شخص اور ایک متشدد شخص کا۔

اس سیاق و تناظر میں سلیم احمد لکھتے ہیں:

"ابو لہب قدیم عرب سماج اور زمانۂ جاہلیت کا ایک علامتی اور استعاراتی کردار ہے اور ابو لہب کی بیوی بھی قدیم عرب سماج کی نمایندہ کردار ہے، جب ابو لہب سال ہا سال کے بعد واپس آتا ہے تو وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ اب لوگ اُس کے بھاگ جانے والے واقعہ کو بھول بھال گئے ہوں گے مگر جیسے ہی سال ہا سال کے بعد ابو لہب پلٹ کر واپس آتا ہے تو لوگ اُسے فوراً پہچان لیتے ہیں۔ عربوں کا حافظہ غیر معمولی اور اُن کی یادداشت بے مثال اس لیے بھی ہے کہ وہ صحرائی علاقوں میں بُود و باش کی وجہ سے اشیا اور لوگوں کو بھولتے نہیں تھے، یہی وجہ ہے کہ ابو لہب جب اپنی بیوی کی بد ہیئتی کی وجہ سے گھر سے بھاگ گیا تھا تو واپسی پر عرب لوگوں نے آناً فاناً پہچان لیا تھا۔ ابو لہب نے بہروپ تو نیا تبدیل کیا مگر پھر بھی اپنی پہچان نہ چھپا سکا۔ گویا بہروپ بدلنے سے ایک کردار کی اصلیت نہیں بدلتی۔"(۷)

یہ ابو لہب عرب کے اس جاہلیہ معاشرے کا ایک نمایندہ کردار ہے۔ ابو لہب کی جو دلھن ہے، وہ بھی اس عرب جاہلیہ معاشرے کا ایک نمایندہ کردار ہے اور وہاں پر جو واقعات کا سلسلہ ہے۔ وہ سامنے کی بات ہے جو روایات ابو لہب کے متعلق منسوب یا معروف ہیں تو اب یہاں ابو لہب وہ ابو لہب نہیں ہے جو آنحضرت محمدؐ کے چچا کی عرفیت سے مخصوص ہے۔ یہ ابو لہب ایک سیکولر کردار ہے اور یہ ابو لہب ایک واقعہ کی وجہ سے جو کہ اس کے شبِ عروسی کا واقعہ ہے اور جہاں سے وہ ننگے پاؤں فرار ہوا، اپنی دلھن کی ہیئت کذائی یاد دہشت کو دیکھ کر، اور پھر اس کی مراجعت ہوتی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اب نئے حلیے میں جا کر وہاں شہر میں اپنی بود و باش اختیار کر لے گا۔ تو اس نئے حلیے میں بھی اس پہچان یا شناخت ہو گئی اور اس کو ننگے پاؤں پھر واپس بھاگنا پڑا اور اس طرح اس کی ساری کمائی دھری کی دھری رہ گئی۔ اس کا سارا ڈراما دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اب اس صورتِ حال کو ذرا انسانوں پر منطبق کر کے دیکھا جائے کہ خود انسان کی Inning کیا ہے؟ انسان کتنے بہروپ بدلتا ہے۔ اس کا روپ کوئی ہوتا ہے۔ وہ بہروپ کوئی اور بدلتا ہے یا بدلے ہوتا ہے اور جب اس کے بہروپ کا پردہ چاک ہوتا ہے تو پھر انسان اسی مقامِ آغاز پر آ کھڑا ہوتا ہے، جہاں سے اس نے اپنا سلسلہ شروع کیا ہوتا ہے۔ اس دنیا میں انسان کا آنا اور یہاں سے چلے جانا۔ یہ بھی اس کردار کی مماثلت ہے اور اس کو ذرا اور بڑے پیمانے پر لے لیا جائے تو ابو لہب جو ہے، وہ معاشرے یا زندگی کا بھی ایک استعارہ ہے۔ سلطنت کا بھی ایک استعارہ ہے وہ جو قرآن مجید میں اللہ کا فرمان ہے کہ کل من علیھا فان۔ کہ دنیا میں ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ تو پھر ابو لہب کو منطبق کر لیا جائے، بڑی بڑی عالی شان سلطنتوں پر، بڑے بڑے عالی شان حکمرانوں پر اور اس کی دلھن کو منطبق کر لیا جائے، وہ جو دربار کے اندر سازشیں ہوتی ہیں۔ اب یہاں دربار کی اصطلاح محدود مفاہیم میں استعمال نہیں کی گئی۔ یہاں دربار کی اصطلاح کو وسیع مفاہیم میں لیا جائے گا۔ بقول شاعر:

میں سازشوں میں گھرا اک یتیم شہزادہ
یہیں کہیں کوئی خنجر مری تلاش میں ہے

تو یہ تو محلاتی دروبست ہے۔ یہ جو زندگی کی ناپائیداری ہے کہ زندگی کی للک میں، زندگی کی ہوس میں ہم اپنا اصل روپ اور اصل کردار فراموش کر دیتے ہیں اور ہم روپ بدل کر، روپوشی اختیار کر کے ایک نئے روپ اور مال و منال کے ساتھ جس میں ہمارے گناہ و ثواب کا ملبہ بھی شامل ہے۔ جب آتے ہیں تو کوئی ایک صاحبِ کردار، کوئی ایک صاحبِ عرفان بھرے مجمعے میں انگلی اٹھا کے ہماری اصلیت ہمیں یاد دلا دیتا ہے۔ ہماری پہچان ہمیں کروا دیتا ہے اور ہم پھر وہ مال و منال، وہ شان و شوکت جو ہم نے حالتِ روپوشی میں اکٹھی کی ہوتی ہے اور اپنی اصل شناخت کو گم کرنے کے لیے جو

CC BY

بہروپ بدلے ہوتے ہیں۔ ان کا جب پردہ چاک ہوتا ہے تو ہم پھر وہی اس زیرو اسکائر پر آن کھڑے ہوتے ہیں۔ تو" ابو لہب کی شادی" ، تنہا دو افراد کی شادی کا معاملہ نہیں ہے، تنہا دو کرداروں کی شادی کا معاملہ نہیں ہے۔ اس کو ذرا زندگی کے پہیے کے اوپر، زندگی کے سائیکل کے اوپر، ادلتے بدلتے انقلابوں کے اوپر، نقشہ پلٹتی ہوئی صورتِ حال کے اوپر کہ جہاں تخت سے تختہ ہوتے اور جہاں بالا دست کو زیر دست ہوتے، دیر نہیں لگتی۔" ابو لہب کی شادی" کے ذریعے شاعر ایک بڑے موضوع کو Rediscover کر کے ہمیں شاعری کی زبان میں سمجھاتا ہے کہ بھیس بدلنے والا، جہاں موجود ہوتا ہے، وہاں اس کے بھید کا پردہ چاک کرنے والی انگلی بھی موجود ہوتی ہے اور پھر جب انسان کا بھرم کھل جائے، پردہ فاش ہو جائے تو پھر انسان کو گھوڑے کو ایڑھ لگا کر دوبارہ وہیں جانا پڑتا ہے، جہاں سے بہروپ بدلا ہوتا ہے۔

ن۔م۔راشد کے اُسلوب کے ضمن میں صفدر میر لکھتے ہیں:

"ن۔م۔راشد ایک لمبے عرصے تک ایران میں مقیم رہے۔ وہاں اُنھوں نے اُس دور کے جدید فارسی گو شعرا کا نہایت عمق کے ساتھ مطالعہ بھی کیا اور ایران میں قیام پذیر ہونے کے باعث بھی اُن کی زبان پر فارسی تراکیب، فارسی زبان کے محاورہ اور روز مرہ کا اثر نہایت گہرا ہے۔ وہ ایک پختہ کار نظم نگار ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ فارسی کے الفاظ و تراکیب کو اس ہنر مندی اور تخلیقی سلیقے سے بروئے کار لاتے ہیں کہ اُن کے اُسلوبِ بیان پر فارسی کے نہایت گہرے اثرات بھی قاری کو بوجھل پن کا احساس نہیں ہونے دیتے۔"(۸)

ن۔م۔راشد کی زبان فارسی آمیز ہونے کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ تخلیقی، دلکش اور جاذبیت کی حامل ہے۔ ادبی اظہار پر اُن کی قدرت تو نہایت اعلیٰ ہے ہی، لیکن نظم کے آغاز میں ہی حیرت و استعجاب اپنی جگہ موجود محسوس ہوتی ہے بلکہ نظر آتی ہے۔ اس نظم میں راشد کا طرزِ بیان بہت خوب صورت اور فارسی آمیز ہے مگر مقامی الفاظ کا استعمال بھی نہایت خلاّقانہ انداز سے کیا ہے۔ راشد کو وہ فن آتا ہے، جسے سمندر کو کُوزے میں بند کرنے کا فن کہتے ہیں۔ ساری نظم کی بُنت اور دروبست استعاراتی و علاماتی ہے۔ شاعر کہیں بھی کمنٹ نہیں کرتا، یہ شاعر کا بنیادی وظیفہ یا منصب یا وصف یا کام ہے بھی نہیں۔ مسرت کے موقع پر ماتم کا عالم۔ بظاہر اس طرح کی فضا قائم کی گئی ہے مگر نہایت گہرے معنی پیدا کیے گئے ہیں جو راشد ہی کے شعری ہنر کی معجز بیانی کہا جائے تو بہتر ہو گا۔ اس نظم کی تکنیک بھی راشد کی دیگر نظموں سے جُداگانہ نوعیت کی حامل ہے اور اس نظم کے مصرعوں میں دریا کی سی روانی اپنی جگہ لائقِ داد و تحسین ہے اور نظم کا علامتی و استعاراتی انداز بھی تخلیق کار کی عمیق نظری اور تہ داری کا غمّاز ہے۔ نظم "ابو لہب کی شادی" میں جس بحر کا انتخاب کیا گیا ہے، اُس کے ارکان اپنے بطون میں بے پناہ روانی رکھتے ہیں۔ شاعر کہیں بھی عجز بیان کا شکار نظر نہیں آتا۔ مصرعوں کی دروبست نہایت عمدہ ہے اور خیال کو نہایت سہولت کے ساتھ تخلیق کے قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ کہیں کہیں ابہام کو بھی تکنیک کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اب اِس نظم میں بحر کے ارکان 'مفاعلاتن مفاعلاتن' خیال کی روانی کے مطابق زیادہ یا کم کیے گئے ہیں۔"ابو لہب کی شادی" ایک مختلف نوعیت کا حامل موضوع ہے، جس میں شاعر کے متخیلہ کا کمال تو ہے ہی، اس کے ساتھ ساتھ استعارات و علامات کے ذریعے پرت در پرت معانی، اور گہرائی اور گیرائی بھی پیدا کی گئی ہے۔ اس نظم کی علامات اور استعارات ایک طرف تو تاریخ میں بہالے جاتے ہیں تو دوسری جانب عرب کلچر اور عرب تہذیب، رسوم و رواج، معتقدات اور عرب روایات کے مفاہیم کو بھی واضح کرتے ہیں یا کم از کم اُن کی ایک جھلک ضرور دکھاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ شاعر کوئی مؤرخ تو ہے نہیں اور نہ ہی وہ کوئی سماجی تاریخ لکھ رہا ہے۔ وہ تو اپنے مشاہدہ، تخلیقی جوہر، مطالعہ اور متخیلہ کے ذریعے اندھی طاقت کے نشّے میں دُھت ایک کردار کے ظاہر اور باطن کی کشمکش کو موضوع بنا رہا ہے۔ راشد نے اس نظم میں موضوع تو الگ تھلگ منتخب کیا ہی ہے مگر تکنیک بھی اپنی دیگر نظموں سے ہٹ کر استعمال کی ہے۔ 'ابو لہب' کے ضمن میں جو روایات ہیں، لہب کے معنی ایک Handsome man کے ہیں اور اُس کے والد حضرت مطلب بھی بہت زیادہ Handsome and beautiful ہونے کا استعارہ تھے۔ اسی طرح اُمِّ جمیل جو اس کی بیوی تھی، وہ بھی اپنی جگہ پر ایک بہت خوب صورت عورت تھی، لیکن روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے ہی ہوا تھا اور ابو لہب کی بیوی اسی طرح So-called آراستہ پیراستہ ہو کر آئی تھی، جس کی جانب راشد نے اپنی نظم میں واضح تلازمات اور کنایوں کے ذریعے بیان کر دیا ہے۔ نظم پڑھنے کے بعد ایک سوال اُبھرتا ہے کہ جو ہوا سو ہوا۔ وہ ایک تاریخی حقیقت ہے، اس میں ایک تلمیح پیش کی گئی ہے، یہ تو اپنی جگہ ہے، لیکن اِس بات کے کیا معنی ہوئے کہ ابو لہب سال ہا سال کی ریاضت کے بعد مال و دولت کما کر، سال ہا سال کی تجارت اور جو بھی معاملات ہیں، اُس کے بعد بھیس بدل کر دوبارہ مراجعت کرتا ہے، مگر پھر بھی پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ وہی 'ابو لہب' ہے۔ اس کی ایک توجیح تو یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ن۔م۔راشد کے مذہبی نظریات کچھ اور ہیں۔ وہ مذہبی آدمی تو نہیں تھے۔ بہر حال ابو لہب قدیم عرب روایات پر فخر کا استعارہ ہے، ابو لہب، اسلام دُشمنی کا استعارہ ہے۔ ابو لہب، استعارہ ہے لوبھ کا، ابو لہب استعارہ ہے مال و منال کا، ابو لہب استعارہ ہے، طاقت کا۔ تاریخ کے اوراق اُلٹیے تو کیا خلافتِ راشدہ کے فوراً بعد خاص طور سے بنو اُمیہ کے دور میں کیا ہمیں وہی نظام As a matter of State policy نظر نہیں آتا! ۔ کس طریقے سے حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد انتشار اور افراتفری کی صورتِ حال پیدا ہوئی یا پیدا کی گئی اور پھر اس کے بعد جو کچھ شام میں ہوا، اور کیا گیا، پھر عمر بن العاص نے جو کچھ مصر میں کیا اور جس طریقے سے وہ قدیم عرب سائیکی کے ساتھ کھیلا اور اُس سے سیاسی فائدہ اُٹھایا، اور پھر بنو اُمیہ نے جو کچھ کیا۔ کس طریقے سے خلافت کو ملوکیت میں، بادشاہت میں چینج کیا۔ بادشاہت اپنی اصل میں یہی سب کچھ تو ہے کہ کوئی بھی بادشاہت کی مخالفت نہ کرے اور بادشاہ جو چاہے، کرے اور جو آگ کی بات ہے اور جو سانپوں کا ہار ہے، اور سر پر جو ایندھن / آگ ہے، استعاراتی طور پر یوں لگتا ہے، وہ جو ریاست کی ذِمے داری ہے، جس میں ذِمے داری پرسنل (ذاتی) بنیادوں پر ہے، اُس میں مذہب کا کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ اس میں مذہب آپ کی پولیسی کو گائیڈ نہیں کر رہا بلکہ باوصف آپ کے، آپ کا ذہن، آپ کا ادراک، آپ کے مفادات، آپ کی منصوبہ بندی، (planning) ، آپ کی کرافٹ، وہ آپ کو گائیڈ کر رہی ہے اور جو گلے میں سانپ ہیں، وہ تو سیدھی سی بات ہے کہ وہ تو مال و دولت ہے جو قیامت کے دن بھی انسان کے سامنے لائی جائے گی کہ اسی مال کے لیے تم لوگوں پر ظُلم کیا کرتے تھے اور بھاگے پھرتے تھے اور دِین کو چھوڑ کر اِن چیزوں کے پیچھے بھاگتے پھرتے تھے۔ راشد کی اس نظم کے اس کردار یعنی 'ابو لہب' کو بنو اُمیہ سے بھی جوڑا جا سکتا ہے کیوں کہ ابو لہب دولت، طاقت اور عقل و دانش کا استعارہ ہے۔ نبیؐ پاک کی مخالفت بھی وہ اس وجہ سے کیا کرتا تھا کہ میں عربوں میں بہت زیادہ عقل مند اور حکمت رکھنے والا ہوں۔ وہ کہا کرتا تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں دوبارہ اُٹھایا جاؤں؟ وہ اپنی عقل و خرد کو اپنا بینچ مارک بناتا تھا۔ بنو اُمیہ نے بھی اسلامک فلاسفی اور اسلامی اخلاقیاتی سسٹم کی بجائے، اپنی عقل و خرد، اپنے مفادات اور اپنی دلچسپیوں کو بینچ مارک بنایا تھا۔ سانپ تو اس دُنیا کے مال و دولت کی علامت ہیں جو انسان کو ڈسے گا۔ وہ ایک الگ استعارہ ہے، سانپ کسی نہ کسی طریقے سے

CC BY

زندگی میں بھی ڈسے گا اور بروزِ قیامت بھی ڈسے گا، اولاد کے حوالے سے ڈسے گا، مال کی صورت میں ڈسے گا، بیماری کے حوالے سے ڈسے گا۔ یہ دیکھیے کہ 'ابولہب' کی موت کیسے اور کس طرح سے ہوئی تھی؟ 'ابولہب' کو مارا جاتا ہے۔ اُس کے سر پر چوٹ لگتی ہے۔ وہ زخمی ہو جاتا ہے۔ اُس کا زخم اُس کے پورے جسم میں ناسور بن کر پھیل جاتا ہے۔ اُس کے پورے جسم سے بدبُو آتی ہے۔ سامنے کی بات ہے، اسی طرح وہ انتہائی بھیانک موت مارا گیا تھا، سانپ اسی دُنیا میں ڈستے ہیں اور قیامت میں توڈسیں گے ہی۔ 'ابولہب' ایک جان دار اور Relevant موضوع ہے۔ فلسفیانہ حوالے سے انسان کی جو Urge ہے کہ میں I should be master of my whole اور میری جو تصنع اور بناوٹ ہے، مصنوعی پن ہے، اور میری جو خود غرضی ہے، بس وہ قائم دائم رہے، مجھ پر کسی قسم کی اخلاقی یا فلسفیانہ یا کوئی پولیٹیکل، سوشل، کلچرل، پابندی نہ ہو۔ اس کی مخالفت کی جاسکتی ہے۔ اسے غلط کہا جاسکتا ہے، لیکن ہم سب کسی نہ کسی سطح پر یہی خواہشیں یا نظریات رکھتے ہیں۔ معروضی صورتِ حال تو یہی ہے۔ اب موجودہ تناظر میں "سرپہ ایندھن" کی ایک نئی تعبیر A.I کے حوالے سے بھی کی جاسکتی ہے۔ وہ اس لیے کہ A.I خالصتاً انسانی چیز ہے۔ اے۔ آئی سراسر انسانی ایجاد ہے اور وہ نامعلوم کو یا Unimaginable کو ایک حقیقت (Reality) بنا کر پیش کرنے پر قادر ہے۔ 'ابولہب' کو عرب شاعری میں کس طرح دیکھا گیا ہے یا عرب شاعری میں کس انداز سے موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ بھی ایک استفہام اور استفسار اپنی جگہ موجود ہے۔ ابولہب پر کسی نہ کسی حوالے سے عرب شاعری میں بات تو ضرور ہوئی ہوگی۔ ابولہب پر کہیں نہ کہیں کوئی تو بات ہوئی ہوگی، کسی نہ کسی دور میں کسی نہ کسی پیمانے سے کچھ نہ کچھ تو لکھا گیا ہوگا کیوں کہ 'ابولہب' بہت بڑا استعارہ ہے، جس کا انجام بہت ہی بُرا ہوا۔ ایک مخصوص وقت اور تناظر میں وہ بہت بڑی شخصیت تو تھی ہی، لیکن استعاراتی طور پر وہ آج بھی Relevant ہے۔ اسے 'اوپریسر' کی کسی نہ کسی شکل میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ 'اوپریسر' کی بھی متعدد شکلیں ہیں۔ ایک تو ٹریڈیشنل اوپریسر ہے۔ اپنی اصل میں تو 'اوپریسر' طاقت کے حصول کا ہی آرزو مند ہے۔ پیسہ، دولت یا مال تو اُس کے حصول کا لازمی حصہ ہے ہی، مگر وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ وہ اپنے مال و دولت اور طاقت کی قوت سے لوگوں کی Memory کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ کیا یہی چیز آج کی دُنیا میں بھی قابلِ عمل نہیں ہے؟ ہمیں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ صرف ہمارے جیسے ملک میں ہی نہیں، اسلامی دُنیا میں ہی نہیں، پوری دُنیا میں ایسا ہی ہے۔ مثلاً سوویٹ یونین کے انہدام اور ٹوٹنے کے بعد یورپین ممالک میں جو ایسٹ جرمنی تھا، وہاں پر یہی ٹیلی ویژن اور جرمنی کی جو ایجادات تھیں اور کمفرٹس تھے، اور وہاں کا جو لائف اسٹائل (طرزِ حیات)، تھا۔ وہ کئی ایک لحاظ سے ایسٹ جرمنی کے لوگوں کے لیے بہت بڑی انسینٹوز تھے کہ وہ۔ They should join with the best. تبھی تو اکتوبر ۱۹۹۰ء میں مغربی جرمنی اور مشرقی جرمنی کا اتحاد ممکن ہوا تھا۔ ایسٹرن جرمنی پر روس نے قبضہ کر لیا تھا، ہٹلر کے بعد ویسٹ جرمنی پہ امریکہ اور یوروپین قوتوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس طرح انھوں نے علاقے بانٹ لیے تھے۔ متحارب قوتوں نے اپنے اپنے حصے میں آنے والے علاقوں پر قبضے کر لیے تھے اور وہاں کے لوگوں کی کوئی خاص حیثیت نہ رہی تھی، ایسٹ جرمنی کی تو حیثیت بالکل بھی کچھ نہ رہی تھی۔ ویسٹ جرمنی کی حالت بھی کچھ زیادہ اچھی نہیں رہی تھی۔ یہ الگ نوعیت کا موضوع ہے۔ راشد کی نظم 'ابولہب کی شادی' ایک بھرپور اور الگ نوعیت کے مضمون کی متقاضی ہے۔ اس نظم کی زبان فارسی آمیز اس لیے بھی ہے کہ اس نسل کی ذہنی و لسانی ساخت پرداخت جس عہد اور ماحول میں ہوئی تھی۔ اس عہد میں علمی روایت بہت مضبوط و مستحکم تھی۔ راشد کی ذہنی پرداخت Upbringing جس ماحول میں ہوئی تھی، وہاں فارسی اور عربی زبانیں بہت زیادہ اہمیت کی حامل تھیں اور مذکورہ زبانیں اسکولوں، مدرسوں میں پڑھائی جاتی تھیں۔ اسکولوں میں عربی، فارسی زبانیں سکھائی اور پڑھائی جاتی تھیں۔ مسلم گھرانوں میں عربی اور فارسی کتابیں سکھائی جاتی تھیں اور ہر پڑھا لکھا بندہ فارسی کے اشعار 'کوٹ' کرنے پہ قادر تھا۔ راشد کی نظم 'ابولہب کی شادی' کے ذریعے عرب تاریخ، عرب کلچر کا تو پتا چلتا ہی ہے کہ بظاہر اپنے وقت کے ایک بڑے کردار کا کس قدر خوف ناک، اذیّت ناک اور بھیانک انجام ہوا۔ یہاں اس نظم کے عمیق مطالعہ کے ذریعے تاریخ سے عبرت پکڑنے کی بھی ایک بات سمجھ میں بہر حال ضرور آتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین المصری۔ عربی زبان کا قدیم ادب (ادب الجاہلی) (مترجم: محمد رضا انصاری)۔ دہلی: انجمنِ ترقی اُردو (ہند)، اشاعت اوّل ۱۹۴۶ء۔ ص ص۔ ۱۲۵۔۱۲۶۔

۲۔ ایضاً۔ ص۔ ۱۲۷۔

۳۔ ایضاً۔ ص۔ ۱۲۸۔

۴۔ ایضاً۔ ص ص۔ ۱۳۰۔۱۳۱۔

۵۔ حکیم سیّد شمس اللہ قادری۔ ملیبار سے عربوں کے تعلقات۔ حیدر آباد، دکن: خورشید پریس بیرونِ چادر گھاٹ، حیدر آباد۔ ۱۹۲۹ء۔ ص ص۔ ۱۵۔۱۶۔

۶۔ شہریار / مغنی تبسم۔ ن۔ م۔ راشد: شخصیت اور فن (مرتبہ)۔ نئی دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۱ء۔ ص۔ ۳۔

۷۔ سلیم احمد۔ مضامینِ سلیم احمد۔ کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۹ء۔ ص ص ۵۱۔۵۰۔

۸۔ صفدر میر۔ راشد کی نظموں میں مفاہیم کی نئی بازیافت۔ مشمولہ ن۔ م۔ راشد: شخصیت اور فن (مرتبہ: شہریار / مغنی تبسم)۔ نئی دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۱ء۔ ص ۱۳۷۔

(نوٹ: ن۔ م۔ راشد کی نظم 'ابولہب کی شادی' کے مطالعہ کے لیے "کُلّیاتِ راشد" ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، جس کے صفحہ ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰ پر مکمل متن موجود ہے۔)

References

Taha Hussain, Dr. "Arabi Zaban ka Qadeem Adab: Adab ul Jaheli", Translated by: Muhammad Raza Ansari, and 1st Edition: 1946, Delhi, Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu, Hind, and pp: 125,126

IBID, p: 127

Same as above, p: 128

Same as above, p: 130,131

Hakeem Syed Shamsullah Qadri, Mlebar Se Arbon k Taaluqat, 1st Edition: 1929, Haiderabad, Khusheed Press Beroon-e-Chadar Ghaat, Haiderabad, and pp: 15.16

Shehr Yar and Mughni Tabassum, "N.M.Rashid Shakhsiyat aur Fun", 1st Edition: 1981, Delhi, Modern Publishing House, p3

Saleem Ahmed, "Mazameen-e-Saleem Ahmed", 2009, Karachi, Akadmi Bazyaft, pp 50.51

Safdar Mir, "Rashid ki Nazmon Mein Mazameen ki Nai Bazyat", Printed in: "N.M.Rashid: Shakhsiyat Aur Fun", Compiled by: Sheharyar and Mughni Tabassum, 1981, Delhi, Modern Publishing House, p137